اُندلس میں اسلام کا عُروج و زوال

اسپین جس کو ہسپانیہ یا اندلس بھی کہتے ہیں۔ یورپ کے جنوب مغرب میں ایک جزیرہ نما ہے جس کا رقبہ دو لاکھ مربع میل سے زیادہ اور آب و ہوا تمام یورپین ممالک سے زیادہ معتدل اور خوشگوار ہے۔ وادی الکبیر اور ٹیگیسی دو مشہور دریا ہیں جو یہاں بہتے ہیں اور جنہوں نے چند اور چھوٹے چھوٹے دریاؤں کے ساتھ مل کر ملک کو گلزار بنا دیا ہے۔

مسلمانوں سے پہلے یہاں صدیوں سے گاتھ خاندان کی حکومت تھی۔ اس خاندان کے فرماں روا راڈرک کے عہد میں اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کی اجازت سے شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر نے اس ملک کو فتح کیا۔

ابن اثیر جلد چہارم تاریخ الکامل میں بیان کیا ہے۔ اُندلس کے شاہی خاندان میں یہ رسم تھی کہ وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو طلیطلہ بادشاہ کی خدمت میں رہنے کے لئے بھیج دیتے تھے تاکہ وہ یہاں ادب حاصل کریں۔ اس رسم کے مطابق یولین نامی ایک شخص نے بھی اپنی لڑکی بادشاہِ وقت راڈرک (جس کو ابن اثیر نے زدلیق لکھا ہے) کی خدمت میں ادب اور علم و تہذیب حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ یہ لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی۔ راڈرک اس پر عاشق ہو گیا اور اسے بہ جبر اپنے تصرف میں لایا۔ لڑکی نے اصل واقعہ کی اطلاع اپنے باپ کو دی۔ وہ یہ معلوم کر کے بڑا برہم ہوا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو اندلس پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی (چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے جو لشکر بھیجا تھا یولین اس کے لئے رہنما کا کام دیتا تھا) موسیٰ بن نصیر نے اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کو سات ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر روانہ کیا۔ یہ لشکر کشتیوں کے ذریعہ بارہ میل چوڑی آبنائے کو عبور کر کے اندلس میں داخل ہوئے اور مشرقی ساحلی چٹان پر قبضہ کر لیا۔ یہی چٹان ہے جس کو طارق کے نام کی مناسبت سے "جبل الطارق" یا انگریزی "جبرالٹر" کہتے ہیں۔ راڈرک اس وقت کسی اور جنگ میں مصروف تھا اس نے مسلمانوں کے اس حملہ کی خبر سنی تو فوراً ایک لاکھ مسلّح سپاہیوں کا لشکر عظیم لے کر بڑے ساز و سامان شوکت و حشم کے ساتھ اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ طارق کی درخواست پر موسیٰ بن نصیر نے پانچ ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر بطور امداد روانہ کیا اس طرح مسلمانوں کا کل لشکر بارہ ہزار نفوس پر مشتمل تھا دوسری طرف ایک لاکھ کا ٹڈی دل لشکر جرار تھا علاوہ بریں مسلمان اس ملک میں بالکل اجنبی تھے۔ طارق نے تمام کشتیاں جلوا دیں اور اپنی فوج کو جمع کر کے پرجوش انداز سے تقریر

کرتے ہوئے کہا۔

"مسلمانو! سمندر تمہارے پیچھے ہے دشمن تمہارے سامنے ہے اب دونوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر لو۔"

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کی فوج میں انتشار پیدا ہو گیا۔ جنگ دریائے لکہ کے ساحل پر ہوئی۔ راڈرک اس شکست سے سراسیمہ ہو کر فرار ہوا کہ پھر اس کا نام و نشان ہی نہ مل سکا۔ بعض مورخین کے نزدیک دریا میں ڈوب کر مرا۔ جب قاصد نے ولید بن عبد الملک اموی خلیفہ کے دربار میں حاضر ہو کر اندلس کی فتوحات کا حال سنایا، تو ولید دربار ایزدی میں سجدہ میں گر گیا اور دیر تک اسی حالت میں پڑا رہا۔

اندلس میں ۹۲ھ سے ۸۹۷ھ تک آٹھ سو سال تک مسلمان اس ملک کے حاکم رہے۔ اس مدت میں زندگی کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں نے جو شاندار کارنامے سرانجام دئے وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک مشہور مستشرق مورخ سدیو لکھتا ہے :-

"عرب چونکہ زراعت اور تجارت کے اصول سے خوب واقف تھے اور ان کا تجربہ رکھتے تھے اس بنا پر انہوں نے اندلس کے شہروں کو گل و گلزار بنا دیا۔ ایک شہر کو دوسرے شہر سے تجارتی تعلقات کے ذریعے اس طرح مربوط کر دیا کہ رفاہیت اور خوشحالی عام ہو گئی اور پہلے سے عربوں اور بربر قوم میں جو منافرت تھی وہ بھی جاتی رہی۔

دوسری جگہ لکھتا ہے :-

اسپین کے عرب علوم و فنون میں صنعت و حرفت میں اخلاق و عادات میں اہل فرنگ سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ قسطیلہ کے شاہانِ فرنگ بھی عربوں کی کریم النفسی اور ان کی شرافت کا یقین رکھتے تھے قرآن پر عامل ہونے کی وجہ سے یہ لوگ حسب و نسب کو بھول گئے۔ عربوں کو علوم و فنون میں، صنعت اور حرفت میں اور زراعت میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ مرد تو مرد عورتیں تک طب، علم نحو، ہندسہ، مبادی علم الطبیعی، کیمیا، تاریخ میں کمال رکھتی تھیں۔ ان کے کتب خانے قدیم علوم علمائے یونان اور فلاسفہ اسکندریہ کی کتابوں کے منقول نسخوں پر تھے۔ دسویں صدی کے آخر میں روم کے پاپا گوبرٹ نے ان کتب خانوں سے فائدہ اٹھا کر ایسے عجیب و غریب علوم و معارف اپنے ہم مذہبوں کے سامنے پیش کئے کہ وہ دنگ رہ گئے اور انہوں نے پاپا کو جادوگر کی تہمت لگائی۔"

علوم و فنون کے علاوہ صنعت و حرفت اور دستکاری میں عربوں کا یہی حال تھا۔ انہوں نے رومیوں اور فینقیوں کے اصول و فنون سے واقفیت حاصل کی۔ اندلس کے سواحل سے مرجان اور طراغوانہ کے بیش قیمت

موقع نکالے۔ روئی کے بُننے میں کمال پیدا کیا۔ ریشمی اور سوتی کپڑوں کے تیار کرنے کی دستکاری میں مہارت حاصل کی ریشم کا کپڑا غرناطہ کا مشہور ہے۔

بلنشیہ اور غرناطہ کی بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے عربوں نے ایک عجیب جدت سے کام لیا انہوں نے دریائے طوبہ جو دانسہ کے قریب سمندر میں گرتا ہے اس کے پانی کو سمندر سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک پشتہ باندھ کر روک دیا اس پانی سے سات نہریں نکالی گئیں پھر ان سات نہروں سے مختلف حوض اور تالاب بنائے گئے۔ جن سے کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ آب پاشی کی اس ترکیب سے عربوں نے اسپین کی بنجر زمینوں کو گلزار بنا دیا۔ عربوں نے اسپین میں زراعت کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے اور اسے اس حد تک ترقی دی کہ سال بھر میں تین تین فصلیں کاٹتے تھے۔ چاول، نیشکر زعفران، کھجور، پستہ، کیلا، شفتالو، انگور، آڑو، روئی اور قسم قسم کے پھول، ترکاریاں یہ تمام چیزیں مسلمانوں کی خوش ذوق کوششوں نے اندلس کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیں اور یہیں سے یہ تمام چیزیں یورپ جاتی تھیں۔

اندلس کی تمدنی اور شہری وسعت کا ذکر کرتے ہوئے سدیو لکھتا ہے۔

"اسپین کے جس حصے پر مسلمان حکمران تھے وہ چھ صوبوں، اسّی بڑے بڑے شہروں، تین سو چھوٹے چھوٹے شہروں اور بے شمار دیہات پر مشتمل تھا۔ صرف ایک قرطبہ میں دو لاکھ گھر، چھ سو مساجد، دو سو مدارس عربیہ، پچاس سے زائد بڑے بڑے ہسپتال، اسّی پبلک کالج اور نو سو حمام تھے۔ اس کی آبادی ۱۰ لاکھ سے متجاوز تھی۔ خلفا کی آمدنی علاوہ اس پانچویں حصہ کے جو ان کو مال غنیمت سے یا یہودی اور عیسائیوں کے جزیے سے ملتا تھا۔ ایک کروڑ بیس لاکھ پینتالیس ہزار دینار تھی۔"

اندلس میں عربوں نے ایسی شاندار عمارتیں اور محلات اور مساجد بنائیں جو دنیا میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھیں صرف ایک مسجد قرطبہ ہی کو لیجئے جو اب تک اپنی عظمت اور شوکت کے لحاظ سے دمشق کی جامع اموی سے ہمسری کا دعویٰ کر رہی ہے اس مسجد کا طول ۶۰۰ اور عرض تقریباً دو سو پچاس قدم تھا اس کے دائیں جانب کے عرض میں ۳۸ اور بائیں جانب کے عرض میں ۲۹ صحن تھے۔ ایک ہزار ترانوے سنگ مرمر کے خوبصورت ترین ستون تھے جنوب کی جانب ۱۹ دروازے تھے جو تانبہ کی منقش چادروں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ درمیانی عمارت کے بڑے دروازے پر سونے کی چادر تھی اس کی چوٹی پر تین زریں گنبد تھے بڑے گنبد پر ہیرے کا انار تھا جو چاند کی طرح چمکتا تھا۔ مسجد میں چار ہزار سات سو قندیلیں روشن ہوتی تھیں ایک قندیل جو محراب میں جلتی تھی وہ خالص سونے کی تھی اس پر ہر سال چوبیس ہزار رطل زیتون اور ایک سو بیس رطل عنبر اور عود صرف ہوتا تھا۔ مسجد کے بلند و بالا میناروں اور گنبدوں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔

علامہ اقبال مرحوم مسجد قرطبہ گئے تو مسلمانوں کی عہد رفتہ ماضی کو یاد کر کے رو پڑے اور پکار اٹھے ؎

تیرا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل
وہ جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

عہدِ حاضر کے مشہور مفکرِ اسلام علامہ سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کے بقول اب جامع قرطبہ کو ایک عیسائی گرجا گھر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ صرف محراب کے آثار باقی ہیں۔

مسجد قرطبہ کے علاوہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے قرطبہ سے چند میل کے فاصلہ پر اپنی عیسائی محبوبہ بیوی کے لئے جو عالی شان محل بنوایا وہ صنعت کاریگری اور فنی خوبیوں کے لحاظ سے ایک یادگار اور نادرِ روزگار عمارت تھی۔ مؤرخین کا بیان ہے۔

اس محل کے گنبد چار ہزار تین سو ستونوں پر قائم تھے ان ستونوں پر مختلف اقسام و انواع کے قیمتی منقش پتھروں سے قائم تھے محل کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اس کو قصر الزہرہ کی بجائے قصر مدینۃ الزہرہ کہتے تھے۔ محل کے وسیع و عریض عمارات میں جابجا صاف شفاف اور شیریں پانی کے حوض اور فوارے بنے ہوئے تھے۔ ان فواروں پر درجنوں چرند و پرند جانوروں کی صورتیں تھیں۔ جو مختلف قسم کے جواہرات اور سونے سے بنی ہوئی تھیں۔ ہر جانور کے منہ سے پانی کا فوارہ نکلتا تھا۔ اس محل کا ایک حصہ قصر الخلفا کہلاتا تھا اس کی چھت خالص سونے کی تھی اور دیواریں ایسی شفاف تھیں کہ جس کی ایک طرف کی چیز دوسری طرف نظر آتی تھی۔ قصر کے اردگرد صاف شفاف خوشنما ہاتھی دانت کے چوکھٹوں میں آئینے نصب تھے جس وقت دروازے کھول دئے جاتے تو آفتاب کی شعاعوں سے مکان اس قدر روشن ہو جاتا جس سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔ اس حالت میں پارہ ہلا دیا جاتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام مکان جنبش میں ہے قصر الزہرہ کے انتظام و نگرانی کے لئے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم حرم سرا میں چھ ہزار عورتیں خدمت گذاری کے لئے وقف تھیں۔ حوضوں میں بارہ ہزار روٹیاں علاوہ اور چیزوں کے مچھلیوں کو خوراک ڈالی جاتی تھی یہ قصر بیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کی لاگت میں بن کر تیار ہوا۔ اس کا طول چار میل اور عرض تین میل تھا۔ ۳۲۵ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور بیس سال میں تکمیل کو پہنچی [1]

اندلس پر مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال قائم رہی۔ آج اندلس میں اسلام کا نام نہیں۔ حکمرانوں کی باہمی کش مکش، اندرون ملک طوائف الملوکی۔ اسلام سے روگردانی اور مرکز سے بے اعتنائی کا دور دورہ شروع ہوا

---

[1] مسلمانوں کا عروج و زوال مصنفہ مولانا سعید احمد ایم اے صفحہ ۱۶۴، ۱۶۵

عیسائیوں نے مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے اندلس پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی اندلس پر حکومت ختم ہوتے ہی مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ ظلم و سفاکی اور جور و ستم کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو ان کے حق میں روا نہ رکھا گیا۔

تمدن عرب کا مشہور مصنف موسیو لکھتا ہے:۔

"اندلس کے غریب مسلمانوں پر جو ظلم توڑے گئے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حالاں کہ یہی وہ مسلمان تھے جنہوں نے اقتدار اور حکومت کے زمانے میں عیسائیوں پر کبھی اس قسم کے ظلم نہیں کیے اگر وہ ایسا کرنے پر آجاتے تو آج جزیرہ نما اسپین عیسائیوں کے نام و نشان اور ان کے وجود سے یکسر خالی ہوتا"

استاد کرد علی متعدد عربی مورخین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

۱۴۹۹ء سے اندلس کے مسلمانوں پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کا عہد شروع ہوا اہل سپین عربوں کے بچوں کو پکڑ لیتے اور انہیں جبراً عیسائی بنا لیتے۔ نوجوانوں کو بالجبر اسلام سے تائب کراتے جو تائب نہ ہوتے ان کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اس طرح کئی لاکھ مسلمانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔

لارڈ بشپ نے سرزمین اندلس کو عربوں کے وجود کو بالکل پاک صاف کر دینے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ جو عرب مسیحی دین اختیار نہ کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت سب کو قتل کر دیا جائے۔

فرانس کا مشہور انقلابی مصنف ولیٹر لکھتا ہے:۔

"جب عربوں نے اسپین فتح کیا تو انہوں نے ایک عیسائی کو بھی اسلام اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ لیکن یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ جب عیسائیوں کا اس ملک پر قبضہ ہو گیا تو شینس نے تمام عربوں کو عیسائی کر لینا چاہا اس سلسلہ میں پچاس ہزار مسلمان اس امر پر مجبور ہوئے کہ انہیں صلیب کا نشان لگانا پڑا۔

۱۵۶۶ء میں یہ حکم جاری ہوا کہ اندلس میں مسلمان عربی زبان کا استعمال اور اپنے شعائر اور طریق عبادت کو ترک کر دیں ان مصائب سے تنگ آکر مسلمانوں نے غرناطہ میں بغاوت کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ کئی سال تک جنگ جاری رہی آخر کار مسلمانوں کو شکست ہوئی۔

۱۶۰۷ء کو حکم عام ہوا کہ مسلمان سرزمین اندلس کو بالکل خالی کر دیں چنانچہ دو سال کی مدت میں پانچ لاکھ مسلمانوں نے اس ملک کو خیر باد کہا۔ زیادہ تر لوگ افریقہ میں نکل گئے جہاں ان کو آب و ہوا راس نہ آئی اور مر گئے۔ فرڈینڈ کے غرناطہ پر تسلط سے لے کر آخری جلاوطنی تک جن لوگوں نے سپین کو چھوڑا ان کی تعداد تیس لاکھ ہے۔ ۳/۲ مسلمان وہ تھے جن کو راستہ ہی میں قتل کر دیا گیا۔ وہ غریب منزل مقصود تک بھی نہ پہنچ سکے[۱]

[۱] مسلمانوں کا عروج و زوال مصنفہ مولانا سعید احمد ایم اے۔